Al-Asr International Research Journal of Islamic Studies
Vol 5 Issue 2 (April-June) 2025
ISSN E: (2790-7694)
ISSN P: (2790-7686)
Published:
June 29, 2025

Establishing Peace for the Stability of Pakistan: Necessity and Significance

استحکام پاکستان کے لیے امن کا قیام: ضرورت وافادیت

Asmat Batool
Ph.D Scholar, Department of Islamic Studies
The Imperial College of Business Studies, Lahore
Email: masoodbukhari786@gmail.com

Dr. Arshad Ali
Assistant professor, Imperial College of Business Studies, Lahore

Abstract

Pakistan came into existence in 1947 as an Islamic welfare state. The ideology that underpinned its creation was the Two-Nation Theory, along with the slogan of the Kalimah, "There is no god but Allah." From its inception to the present day, the state of Pakistan has faced various internal and external challenges, among which the most prominent is the issue of establishing peace. Peace is not only a fundamental requirement of human society but also an indispensable condition for the progress, prosperity, and stability of any nation. For a developing and ideological state like Pakistan, the need for and importance of peace become even more critical. Only a peaceful society and state can provide the strong foundations necessary to eliminate fear, disorder, insecurity, mistrust, terrorism and extremism, sectarianism, linguistic and ethnic conflicts, and political instability. In such an environment, citizens live their lives under the supremacy of law, and enlightened values such as dialogue, reconciliation, and mutual understanding are revived and strengthened. An Islamic state is founded upon all those conditions, means, resources, limits, and ethical principles that Islam has prescribed through its comprehensive guidance. A successful state comes into being only when all state institutions fully adhere to the directives of an empowered and authoritative leadership. Lawlessness is never in the interest of any state, nor does any state tolerate the weakening or complete erosion of its authority or writ over its institutions. In the modern era, the contemporary structure of state institutions reflects the same state that was established on the foundations of the State of Madinah and Islamic beliefs and principles.

Keywords: Islamic Welfare State, Two-Nation Theory, Establishment of Peace, Rule of Law, Political and Social Stability, Islamic Governance Principles

Al-Asr International Research Journal of Islamic Studies
Vol 5 Issue 2 (April-June) 2025
ISSN E: (2790-7694)
ISSN P: (2790-7686)
Published:
June 29, 2025

موضوع کا تعارف:

پاکستان ۱۹۴۷ کو اسلامی فلاحی ریاست کے طور پر معرض وجود میں آیا، اس کے قیام میں جو نظریہ کارفرما تھا وہ دو قومی نظریہ اور کلمہ ”لا الہ الا اللہ“ جیسا نعرہ شامل تھا، قیام امن کے بعد سے لے کر آج تک ریاست پاکستان مختلف اندرونی و بیرونی چیلنجز کا سامنا کرتی آرہی ہے، ان چیلنجز میں سب سے نمایاں مسئلہ ”قیامِ امن“ کا ہے۔ امن نہ صرف انسانی معاشرے کی بنیادی ضرورت ہے بلکہ کسی بھی قوم کی ترقی، خوشحالی اور استحکام کے لیے ناگزیر شرط ہے۔ پاکستان جیسے ترقی پذیر اور نظریاتی ریاست کے لیے قیامِ امن کی ضرورت اور اہمیت دوچند ہو جاتی ہے۔ پُرامن معاشرہ اور ریاست ہی وہ روشن بنیادیں فراہم کرتی ہے جس سے خوف، انتشار، بدامنی، بداعتمادی، دہشت گردی و انتہا پسندی، فرقہ واریت، لسانی و نسلی تصادم، سیاسی عدم استحکام جیسے رذائل کا قلع قمع ہوتا ہے، ریاستی باشندے قانون کی بالادستی میں اپنی زندگی گزارتے ہیں اور مکالمہ، مصالحت اور مفاہمت جیسی روشن اقدار کو احیا حاصل ہوتا ہے۔ اسلامی ریاست کی بنیاد ان تمام شرائط، ذرائع، وسائل، حدود اور آداب پر قائم ہوتی ہے جن کا تقاضا اسلام نے اپنی مکمل رہنمائی میں کیا ہے۔ ایک کامیاب ریاست اسی وقت وجود میں آتی ہے جب تمام ریاستی ادارے ایک بااختیار اور مقتدر حکمران کی ہدایات کی مکمل پیروی کریں۔ قانون شکنی کسی بھی ریاست کے مفاد میں نہیں ہوتی، اور نہ ہی کوئی ریاست اس امر کو گوارا کرتی ہے کہ اس کا اقتدار یا عملداری کسی بھی ادارے پر کمزور ہو یا بالکل ختم ہو جائے۔ آج کے دور میں ریاستی اداروں کی جدید تشکیل اسی ریاست کی ترجمانی کرتی ہے جو ریاستِ مدینہ اور اسلامی نظریات و عقائد کی بنیاد پر قائم کی گئی تھی۔

مثالی اسلامی ریاست کی خصوصیات میں شہری نظم و ضبط، دفاعی نظام کے تحت فوجی ڈھانچے کی تنظیم، مالیاتی نظام کے تحت اقتصادی تصورات، حکومتی عہدیداروں کی تقرری، اور دین کی اشاعت و اقامت کے ضمن میں مساجد کا فعال کردار، ائمہ کی فکری بصیرت، اور مؤثر دعوتی اسالیب شامل ہیں۔ تاہم، زمانے کے تغیر اور نئے مسائل کے ابھرنے سے کچھ نئے ادارے وجود میں آئے ہیں جو معاشرتی ترقی، معیشت کی ترویج، ذرائع ابلاغ، صحت کے شعبے اور جدید جرائم کے انسداد کے نظام میں کلیدی کردار ادا کر رہے ہیں، ان کی اہمیت سے انکار ممکن نہیں۔ اسی طرح، احتساب کا نظام بھی وقت کے ساتھ ساتھ مختلف تبدیلیوں سے گزرا ہے اور آج بھی اپنی عملی حیثیت کے اعتبار سے قابلِ توجہ ہے، جس کا تجزیہ تنقید و تحسین کے پیمانوں پر کیا جا سکتا ہے۔

سیّد مودودی اسلامی ریاست کے تصور سے متعلق لکھتے ہیں:

OPEN ACCESS
CC BY

Al-Asr International Research Journal of Islamic Studies
Vol 5 Issue 2 (April-June) 2025
ISSN E: (2790-7694)
ISSN P: (2790-7686)
Published:
June 29, 2025

”ابتدا سے آج تک تمام دنیا میں صرف اسلام ہی وہ مسلک ہے، جو قومیت کے ہر شائبہ سے پاک کر کے حکومت کا ایک نظام خالص آئیڈیالوجی کی بنیاد پر تعمیر کرتا ہے اور تمام انسانوں کو دعوت دیتا ہے کہ اس آئیڈیالوجی کو قبول کر کے غیر قومی حکومت بنائیں“۔[1]

قوم پرستی اور نسلی یا رنگ و نسل کی عصبیت پر مبنی ریاست یا حکومت کبھی بھی ایک اصولی فلاحی مملکت نہیں بن سکتی، کیونکہ ایسی ریاست کا دائرہ کار محدود ہو جاتا ہے اور وہ انسانوں کو چھوٹے چھوٹے گروہوں میں تقسیم کر دیتی ہے۔ اس صورت میں عدل و انصاف کا ترازو بھی متوازن نہیں رہ پاتا، اور قومی و گروہی مفادات اس کے ایک پلڑے کو جھکاتے ہیں۔ اسلام جس ریاست کا تصور پیش کرتا ہے اور قرآن مجید جس کے اصول وضع کرتا ہے، وہ ان تمام محدود گروہی، نسلی اور علاقائی تصورات سے بلند اور اعلیٰ تر ہے۔ اسلامی ریاست کا اصل مقصد خیر و شر کی حقیقتوں کی وضاحت کر کے عوام کی رہنمائی کرنا ہے۔ ریاستی اداروں میں ضروری نہیں کہ اسلامی ضابطۂ حیات کو جبراً نافذ کیا جائے۔ اسلامی ریاست کے کچھ شعبے مکمل طور پر اسلامی اصولوں کی پیروی کے متقاضی ہیں، تاہم ایسے کئی شعبے ہیں جن میں غیر مسلموں کے ساتھ تعاون کر کے یا ان سے مدد لے کر بھی کام کیا جا سکتا ہے۔ جیسے کہ داخلی تعاون کے لیے غیر مسلموں کی مدد لینا، غیر مسلموں کو پولیس، فوج یا سیکیورٹی اداروں میں بھرتی کرنا، خارجہ تعلقات کے لیے غیر مسلموں سے روابط قائم کرنا، معاشی لین دین کے لیے غیر مسلموں کے ساتھ تعلقات استوار کرنا، اور معاشرتی مسائل کی نگرانی کے لیے ان سے تجاویز قبول کرنا۔ اسی طرح اقلیتوں کے حقوق کے تحفظ اور ان کی حمایت کرنے والے ادارے بھی غیر مسلم افراد یا اداروں سے تعلق قائم کر سکتے ہیں۔ اسلامی ریاست نہ صرف ایسے اداروں کو تسلیم کرے گی بلکہ ان کی حفاظت کے لیے تمام دستیاب وسائل کو استعمال کرے گی۔[2]

معاشرہ افراد کے مجموعے سے تشکیل پاتا ہے اور جیسا شعور و فکر ان افراد میں پایا جاتا ہے، وہی معاشرے کی ساخت و صورت پر اثر انداز ہوتا ہے۔ افراد کی خوبیوں اور خامیوں کا عکس ہی معاشرتی نظام میں جھلکتا ہے۔ کسی بھی معاشرے کی تہذیب، ثقافت، اخلاقی بلندی، ہمدردی، اور فلاح کا جذبہ ہی اسے کامیابی کی راہ پر گامزن کرتا ہے، جب کہ ان اقدار کی غیر موجودگی معاشرے کو زوال و ناکامی کی طرف لے جاتی ہے۔ چونکہ معاشرہ افراد کے باہمی اشتراک سے تشکیل پاتا ہے، اس لیے ضروری ہے کہ اس میں ان تمام اعلیٰ صفات کا پایا جانا یقینی بنایا جائے جو ایک مستحکم، پر امن اور ترقی یافتہ معاشرے کے لیے ضروری ہیں۔ بدامنی، افراتفری، بے چینی اور اضمحلال کبھی بھی ایک صحت مند سماج کی علامت نہیں رہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی معاشرتی نظام کی اولین ترجیح فرد کی تعمیر شخصیت ہوتی ہے۔ کیونکہ فرد ہی وہ بنیادی اکائی ہے جس سے خاندان، برادری، قوم اور بالآخر ایک مضبوط معاشرہ وجود میں آتا ہے۔ اسلام فرد کے حقوق و فرائض کو بھی واضح کرتا ہے اور معاشرے کے

[1] مودودی، سیّد ابوالاعلیٰ، ”اسلامی ریاست“، اسلامک پبلیکیشنز۔ لاہور، ص: ۱۰۷

[2] جعفری، سید سجاد حیدر، ”**پاکستان: تاریخ، ثقافت، سیاست**“، نیشنل بک فاؤنڈیشن۔ اسلام آباد، ص: ۱۱۷

OPEN ACCESS

CC BY

Al-Asr International Research Journal of Islamic Studies
Vol 5 Issue 2 (April-June) 2025
ISSN E: (2790-7694)
ISSN P: (2790-7686)
Published: June 29, 2025

تقاضوں، ذمہ داریوں اور اجتماعی مفاد کی اہمیت کو بھی اجاگر کرتا ہے۔ اسلام کی ہمہ گیر تعلیمات اس امر کا تقاضا کرتی ہیں کہ ہر فرد معاشرے سے جڑا رہے، کیونکہ اس کی فکری پختگی، ارتقاء اور داخلی سکون معاشرتی روابط اور اجتماعی تعلق سے ہی ممکن ہے۔ وہ ترقی اور شعور جسے کوئی فرد تنہائی میں حاصل نہیں کر سکتا، وہ ایک مربوط معاشرتی زندگی میں بہ آسانی حاصل کی جاسکتی ہے۔ اسلام نے جس معاشرے کو مثالی قرار دیا ہے وہ وہی ہے جو مقصدِ حیات سے وابستہ ہو، جس کی بنیاد پاکیزگی، سچائی، اعلیٰ اخلاق اور عدل وانصاف پر قائم ہو۔ ایسے معاشرتی خواص ہی کسی قوم کو دنیا میں ممتاز اور معزز مقام عطا کرتے ہیں۔ اس لیے افراد کو چاہیے کہ وہ ان اصولوں سے آگاہ ہوں، اور اپنی سماجی و دینی ذمہ داریوں کو شعوری طور پر قبول کر کے ایک مہذب اور بامقصد معاشرے کی تشکیل میں فعال کردار ادا کریں۔ اسلام کا تصور زندگی جزوی نہیں بلکہ ہمہ جہتی ہے، جو روحانی اور مادی دونوں ترقیوں کا تقاضا کرتا ہے اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب ایک منظم معاشرتی نظام عدل، اخوت اور اسلامی اصولوں پر استوار ہو۔[3]

اسلامی ریاست کے بنیادی مقاصد میں سے اجتماعی اطاعت، معاشی نظام کا قیام، شرعی احکام کا تحفظ اور ان کی عملداری، عدل کا قیام، آئین و قانون کا نفاذ اور اس کی پاسداری، فلاح عامہ کے مختلف شعبہ جات کا قیام، سلامتی واستحکام کا فروغ، ملکیت کا حق اور اس کا تحفظ، اقلیتوں کا تحفظ اور ان کے حقوق وغیرہ شامل ہیں۔ ریاست کے تمام شعبہ جات میں بنیادی فلسفہ ظلم کا خاتمہ اور عدل کا قیام ہوتا ہے، مشہور قول زرّیں ہے کہ (فَإِنَّ الْمُلْكَ يَبْقَى عَلَى الْكُفْرِ وَلَا يَبْقَى عَلَى الظُّلْمِ)[4]" بلاشبہ ایک ملک نظام کفر پر تو بقا حاصل کر سکتا ہے لیکن نظام ظلم پر اس کی بقا ممکن نہیں ہے"۔ ریاستی رٹ (writ) قائم رکھنے اور ظلم کے خاتمے نیز افراد کے باہمی تعاون ومشارکت کے لیے منظم اجتماعی اداروں کی ضرورت ہوتی ہے، جو ریاست کے کام میں اس کا ہاتھ بٹا سکیں، شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں:

"لما كانَ الْملك لَا يَسْتَطِيع إِقَامَة هَذِه الْمصَالح كلهَا بِنَفسِهِ وَجب أَن يكون لَهُ بِإِزَاءِ كل حَاجَة أعوان"۔ [5]

"حکمران تنِ تنہا حکومتی معاملات اور مصالح کو انجام دینے کی قدرت نہیں رکھتا، اس لیے اسے ہر معاملے میں مددگاروں اور مشیروں کی ضرورت ہوتی ہے"۔

اسلامی ریاست کے عملی اور نظمیاتی پھیلاؤ کے لیے لازم ہے کہ تمام شعبہ جات کو الگ الگ سنوار دیا جائے جس کے ذریعہ حکومتی امور بہ احسن وخوبی چلتے رہیں۔ ریاست کے امور حکومت چلانے کے لیے مختلف شعبہ جات کی ضرورت سے متعلق علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں:

[3] قریشی، ڈاکٹر اسلم، "تحریکِ پاکستان کا نظریاتی پس منظر"، ادارہ تحقیقات اسلامی۔ اسلام آباد، ص: ۴۵

[4] ابن الاثیر جزری، أبو الحسن علی بن ابی الکرم، "الکامل فی التاریخ"، دار الکتاب العربی، بیروت، ج: ۹، ص: ۳۰۱

[5] الدھلوی، شاہ ولی اللہ، احمد بن عبد الرحیم بن الشھید، "حجۃ اللہ البالغۃ"، ج: ۱، ص: ۹۵

OPEN ACCESS

CC BY

Al-Asr International Research Journal of Islamic Studies
Vol 5 Issue 2 (April-June) 2025

ISSN E: (2790-7694)
ISSN P: (2790-7686)

Published:
June 29, 2025

”وله على كلّ حال مراتب خادمة ووظائف تابعة تتعيّن خططا وتتوزّع على رجال الدّولة وظائف فيتمّ بذلك أمر الملك ويحسن قيامه بسلطانه ،فاعلم أنّ الخطط الدّينيّة الشّرعيّة من الصّلاة والفتيا والقضاء والجهاد والحسبة كلّها مندرجة تحت الإمامة الكبرى الّتي هي الخلافة“۔[6]

”خلافت یا حکومت کی ذمہ داریاں سرانجام دینے کے لیے مختلف درجات اور ذیلی شعبے قائم کیے جاتے ہیں، اور مختلف امور حکومتی اراکین کے درمیان تقسیم کیے جاتے ہیں، جس کے باعث حکمران اپنی ذمہ داریوں کو بہتر انداز میں ادا کرنے کے قابل ہوتا ہے۔ اسی بناء پر تمام دینی امور جیسے نماز کا قیام، فتویٰ نویسی، عدالتی نظام (قضا)، جہاد، اور نظامِ احتساب (حسبہ) وغیرہ، امامتِ کبریٰ یعنی نظامِ خلافت کے تحت شمار کیے جاتے ہیں“۔

عدل پر حکومت کی بقا اور ظلم پر فنا میں یہی فلسفہ ہے کہ امور حکمرانی میں نظم و نسق اور امن و سلامتی ہو، دنیا جتنی بھی جدتوں سے ہم آہنگ اور ساز و سامان، وسائل و ذرائع سے مزین ہو جائے، اسے ہر حال میں قانون کی حکمرانی کو ہر صورت مقدم رکھنا ہوتا ہے، اگر ایسا نہ ہو تو ریاست و حکومت میں جنگل کا قانون ہو۔

پاکستان میں اندرونی و بیرونی چیلنجز کے حوالے سے کئی ایک مسائل کا تعلق فرقہ واریت اور دہشت گردی سے ہے، جس کی وجہ سے قیام امن کی کوششیں ناگزیر ہو جاتی ہیں، ریاست کے افراد کو متحد رکھنا اور انہیں ریاست اور عوام کے لیے نفع بخش بنانا قیام امن کی مخلص ترین کاوشیں ہیں، لہٰذا ان تمام طبقات کا احاطہ کرنے کی ضرورت ہے، چاہے ان کا تعلق انفرادی حیثیت سے ہو، معاشرتی و اجتماعی حیثیت سے ہو یا پھر ریاستی حوالے سے ہو، ہر طبقے کو اپنی اپنی ذمہ داری اس انداز سے نبھانے کی ضرورت ہے جس کے اثرات ریاست اور باشندگانِ ریاست تک پہنچیں۔[7]

ریاست کے اندر وہ مسائل جن سے قیام امن کی ضرورت ناگزیر ہو جاتی ہے، انہیں احاطۂ تحریر میں لایا جائے تو آپس کا تفرقہ اور خانہ جنگی سرفہرست ہیں، آج امت مسلمہ لسانی، صوبائی، ثقافتی اور طبقاتی تفرقے جیسی خطرناک کیفیت سے دوچار ہے۔ آج تفرقات کی نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ مسلمان ایک دوسرے کے خلاف بہتان بازی، سب و شتم، دشنام طرازی یہاں تک کہ قتل وغارت کو بھی معمولی عمل سمجھتے ہیں۔ ان تمام مسائل کا حل امت مسلمہ کی وحدانیت اور شیرازہ بندی تھی جو آہستہ آہستہ نااہل لوگوں، مغرب کے باج گزار اور تابع فرماں لوگوں کی وجہ سے بکھرتی جارہی ہے، وہ ذاتی تعصب، عناد اور ہٹ دھرمی میں اتنا آگے نکل گئے کہ قرآنی فرامین اور واضح نصوص کو بھی پسِ پشت ڈال دیا، قرآن کریم میں اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

﴿وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَ هُمُ الْبَيِّنٰتُ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ﴾۔[8]

”اور اُن لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے تفرقہ ڈالا، اور واضح دلائل آجانے کے بعد اختلاف کیا، اِنہی لوگوں کیلئے بڑا عذاب ہے“۔

[6] ابن خلدون، عبدالرحمن بن محمد بن محمد، ”تاریخ ابن خلدون“، دارالفکر۔ بیروت، ج: ۱، ص: ۲۷۳

[7] عطا محمد جنجوعہ ”دو قومی نظریہ کی ضرورت اور تشکیل پاکستان“، مکتبہ اسلامیہ۔ لاہور، ص: ۱۴۔۱۵

[8] آل عمران، ۳: ۱۰۵

CC BY

Al-Asr International Research Journal of Islamic Studies
Vol 5 Issue 2 (April-June) 2025
ISSN E: (2790-7694)
ISSN P: (2790-7686)
Published:
June 29, 2025

یہ آیت مسلمانوں کو "وحدت، اتحاد اور اتفاق" کی تاکید کرتی ہے اور ان اقوام کا حال بیان کرتی ہے جنہوں نے ہدایت ملنے کے بعد آپس میں تفرقہ ڈالا۔ یہ آیت اُس مقام پر نازل ہوئی ہے جہاں اہلِ کتاب (یہود و نصاریٰ) کے طرزِ عمل کا ذکر ہے، جنہوں نے اللہ کی کتاب پانے اور واضح تعلیمات کے باوجود اختلافات کا راستہ اختیار کیا۔

تفرقوا: کا مطلب ہے گروہوں میں بٹ جانا، آپس کی یگانگت ختم ہونا۔

اختلفوا: کا مطلب ہے باہمی ضد، مخالفت اور دشمنی۔[9]

یہ اس بات کی علامت ہے کہ محض علمی یا فکری اختلاف نقصان دہ نہیں، بلکہ جب اختلافات ضد، حسد، انا اور فرقہ پرستی کی صورت اختیار کر لیں تو وہ گمراہی اور عذاب کا سبب بن جاتے ہیں۔

مِنۢ بَعۡدِ مَا جَآءَهُمُ ٱلۡبَيِّنَٰتُ: یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ وہ لوگ کسی عذر کے تحت نہیں بھٹکے بلکہ ہدایت کی واضح نشانیاں ان تک پہنچ چکی تھیں، اس کے باوجود انہوں نے جان بوجھ کر اختلاف کیا، جس سے ان کی ضد، عناد اور خواہشاتِ نفس کا ظہور ہوتا ہے۔

أُولَٰٓئِكَ لَهُمۡ عَذَابٌ عَظِيمٌ: ایسے افراد، جو تفرقہ بازی کے مرتکب ہوں اور امت کو تقسیم کریں، ان کے لیے سخت عذاب کی وعید سنائی گئی ہے۔ یہ عذاب دنیا میں بھی ذلت، کمزوری، اور دشمنوں کے تسلط کی صورت میں ہوتا ہے، اور آخرت میں جہنم کی سزا کی صورت میں۔[10]

- امت مسلمہ کو اتحاد کا پابند ہونا چاہیے۔
- دین میں اختلافِ رائے علم و فہم کی بنیاد پر ہو، تعصب، ضد یا فرقہ پرستی کی بنیاد پر نہیں۔
- ہدایت ملنے کے بعد اختلاف، گمراہی کی نشانی ہے۔
- اختلاف کی صورت میں قرآن و سنت کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔
- اس آیت میں اہلِ کتاب کی مثال دے کر مسلمانوں کو خبردار کیا گیا ہے کہ وہ بھی ایسی تفرقہ بازی میں نہ پڑیں۔
- امتِ مسلمہ کے لیے یہ حکم ہے کہ وہ اتحاد قائم رکھے اور علمی اختلاف کو فتنہ نہ بننے دے۔

امام احمد نے ابو عامر عبداللہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ ہم نے معاویہ بن ابو سفیان رضی اللہ عنہ کے ساتھ حج کیا، جب ہم مکہ میں آئے تو نمازِ ظہر کے بعد وہ کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

[9] کیرانوی، قاسمی، وحید الزماں، "القاموس الجدید"، ادارہ اسلامیات۔ لاہور، ص: ۸۴
[10] اصلاحی، مولانا امین احسن، "تدبر قرآن"، فاران فاؤنڈیشن۔ لاہور، ج: ۲، ص: ۴۳

OPEN ACCESS
CC BY

Al-Asr International Research Journal of Islamic Studies
Vol 5 Issue 2 (April-June) 2025
ISSN E: (2790-7694)
ISSN P: (2790-7686)
Published:
June 29, 2025

"إِنَّ أَهْلَ الْكِتَابَيْنِ افْتَرَقُوا فِي دِينِهِمْ عَلَى ثِنْتَيْنِ وَسَبْعِينَ مِلَّةً، وَإِنَّ هَذِهِ الْأُمَّةَ سَتَفْتَرِقُ عَلَى ثَلَاثٍ وَسَبْعِينَ مِلَّةً - يَعْنِي: الْأَهْوَاءَ، كُلُّهَا فِي النَّارِ إِلَّا وَاحِدَةً، وَهِيَ الْجَمَاعَةُ، وَإِنَّهُ سَيَخْرُجُ فِي أُمَّتِي أَقْوَامٌ تَجَارَى بِهِمْ تِلْكَ الْأَهْوَاءُ كَمَا يَتَجَارَى الْكَلْبُ بِصَاحِبِهِ، لَا يَبْقَى مِنْهُ عِرْقٌ وَلَا مَفْصِلٌ إِلَّا دَخَلَهُ"۔[11]

"یہود و نصاریٰ اپنے دین میں بہتر (۷۲) فرقوں میں تقسیم ہوگئے تھے اور یہ امت تہتر (۷۳) فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی اور ایک کے سوا باقی سب جہنم میں جائیں گے، اور اس سے مراد جماعت ہے، میری امت میں کچھ ایسی قومیں پیدا ہوں گی جن پر خواہشات کا اس طرح غلبہ ہوگا جس طرح دائ الکلب کے مریض پر اس مرض کا غلبہ ہوتا ہے کہ اس کی کوئی رگ اور کوئی جوڑ باقی نہیں رہتا مگر اس میں یہ مرض سرایت کر جاتا ہے۔ اللہ کی قسم! اے گروہِ عرب! اگر تم اس دین کو قائم نہیں کرو گے جسے تمہارے نبی ﷺ لے کر آئے تو دوسرے لوگ اسے بالاولی قائم نہیں کریں گے"۔

اسلام میں تفرقہ بازی یعنی امت کو گروہوں میں تقسیم کرنا سختی سے منع ہے، کیونکہ یہ نہ صرف دین کی روح کے خلاف ہے بلکہ مسلمانوں کی وحدت، طاقت اور اجتماعیت کو بھی نقصان پہنچاتا ہے۔ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر تفرقہ بازی سے منع کیا گیا ہے، چند فروعی اختلافات اور فقہی بنیادوں پر پیش آمدہ مسائل کو آج اسلام اور کفر، حق اور باطل، خیر اور شر کا مسئلہ بنالیا گیا، ستم بالائے ستم یہ کہ دور دور تک اس پیدا کردہ مؤقف پر یکسانیت اور وحدت ہوتی ہوئی نظر نہیں آتی۔ حالانکہ نبی کریم ﷺ نے تمام ترعصبیتوں اور نسلی تفاخر کا خاتمہ خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر اپنے فرمانِ ذیشان میں فرمادیا تھا:

(يَا أَيُّهَا النَّاسُ! أَلَا إِنَّ رَبَّكُمْ وَاحِدٌ، وَإِنَّ أَبَاكُمْ وَاحِدٌ، أَلَا لَا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلَى عَجَمِيٍّ، وَلَا لِعَجَمِيٍّ عَلَى عَرَبِيٍّ، وَلَا أَحْمَرَ عَلَى أَسْوَدَ، وَلَا أَسْوَدَ عَلَى أَحْمَرَ، إِلَّا بِالتَّقْوَى)۔[12]

"اے لوگو! سن لو! تمہارا رب ایک ہے اور تمہارا باپ ایک ہے، سن لو! نہ کسی عربی کو کسی عجمی پر کوئی برتری حاصل ہے اور نہ کسی عجمی کو کسی عربی پر، نہ کسی سرخ کو کسی کالے پر اور نہ کسی کالے کو کسی سرخ پر، مگر تقویٰ کی بنا پر"۔

یہ حدیث نبوی جو کہ خطبہ حجۃ الوداع کے حوالہ سے بیان کی گئی ہے، اسلام کے عالمی، مساواتی اور انسان دوست پیغام کو نہایت جامع انداز میں بیان کرتی ہے۔ حدیث کے الفاظ درج ذیل ہیں:

اے لوگو! خبردار، تمہارا رب ایک ہے۔ یہ اعلان توحید ہے، کہ انسانوں کے درمیان اختلافات، رنگ، نسل یا قومیت کی بنیاد پر نہیں ہونے چاہئیں کیونکہ سب کا خالق ومالک ایک ہی ہے۔ یہ سب کو ایک مشترکہ نسبت پر قائم کرتا ہے۔

اور تمہارا باپ (یعنی حضرت آدمؑ) بھی ایک ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ تمام انسان نسب کے لحاظ سے برابر ہیں، کیونکہ سب ایک ہی باپ کی اولاد ہیں۔ لہٰذا نسل یا قوم کی بنیاد پر فخر کرنا باطل ہے۔

[11] الشیبانی، ابو عبداللہ احمد بن محمد بن حنبل، "مسند الامام احمد بن حنبل"، مؤسسۃ الرسالۃ۔ بیروت، حدیث معاویہ بن ابی سفیان، الرقم: ۱۶۹۳۷

[12] احمد بن حنبل، "مسند الامام أحمد بن حنبل"، کتاب أحادیث رجال من أصحاب النبی ﷺ، باب حدیث رجل من اصحاب النبی ﷺ، الرقم: ۲۳۴۸۹

CC BY

Al-Asr International Research Journal of Islamic Studies
Vol 5 Issue 2 (April-June) 2025
ISSN E: (2790-7694)
ISSN P: (2790-7686)
Published:
June 29, 2025

نہ کسی عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت ہے، اور نہ کسی عجمی کو عربی پر، نہ گورے کو کالے پر اور نہ کالے کو گورے پر۔

یہ جملہ نسلی و قومی برتری کے تمام تصورات کی نفی کرتا ہے۔ اسلام میں فضیلت رنگ، نسل، زبان یا علاقے کی بنیاد پر نہیں، بلکہ اخلاق و کردار اور تقویٰ پر ہے۔

فضیلت صرف تقویٰ (اللہ کا ڈر، پرہیزگاری، اخلاص) کی بنیاد پر ہے۔

یہ قرآن کی تعلیم کا نچوڑ ہے، جیسا کہ فرمایا گیا: ﴿إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ﴾۔[13] یعنی "اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔"

نسلی امتیاز، تعصب اور قوم پرستی کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں۔ تمام انسان برابر ہیں؛ عزت و عظمت صرف تقویٰ، خلوص، اور نیکی سے حاصل ہوتی ہے۔ یہ پیغام ایک بین الاقوامی اخوت اور عالمی مساوات کا اعلان ہے۔ یہ اقوامِ عالم کے لیے ایک ابدی اصول ہے جو انسانیت کے وقار اور امن کی ضمانت دیتا ہے۔

اسلام چونکہ پوری انسانیت اور انسانی برادری کے لیے رحمت ہے اور اس کی یہ بنیادی حقیقت بھی واضح طور پر بیان کی گئی ہے کہ سب انسان ایک ہی انسان سے پیدا ہوئے ہیں اور ساری انسانیت ایک برادری ہے، لہٰذا اسلام ذات اور برادری وغیرہ کی بنیادوں پر قائم تنظیموں کا خاتمہ کرتا ہے۔ ان تمام تفرقات کا بنیادی سبب ہی قرآن و حدیث کی واضح تعلیمات سے دوری ہے، آج فرع کو اصل بنا کر پیش کرنا چند علماء کا وطیرہ بن چکا ہے، جس کا نتیجہ ہم اضطراب، بے چینی اور بدامنی کی صورت میں بھگت رہے ہیں۔

قیامِ امن میں بڑی رکاوٹ دہشت گردی:

فرقہ واریت کے بعد پاکستان کو اندرونی اور بیرونی دونوں محاذوں سے شدید دہشت گردی کا سامنا ہے، لیکن دہشت گردی کو کسی ریاست، کسی گروہ، کسی مذہب یا مسلک سے جوڑنا درست نہیں، اس لیے کہ "دہشت گرد کا کوئی مذہب نہیں ہوتا"، وہ محض انسانیت کو تاراج کرنے اور مذموم مقاصد کی تعمیل کے لیے ایسا کرتا ہے، دہشت گردی اور فرقہ واریت جیسے سنگین سماجی مسائل کو کسی مخصوص مذہب یا عقیدے سے جوڑ دینا نہ صرف علمی اور فکری لحاظ سے ناقص رویہ ہے بلکہ یہ دنیا میں بسنے والے کروڑوں افراد کے جذبات کو مجروح کرنے کے مترادف ہے۔ ہر مذہب امن، بھائی چارے، انسان دوستی اور رواداری کا درس دیتا ہے، خواہ وہ اسلام ہو، عیسائیت ہو، ہندومت ہو یا کوئی اور دین۔ ان مذاہب کی تعلیمات کا اگر گہرائی سے مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ انسانی جان کی حرمت، عدل و

[13] الحجرات، ۴۹:۱۳

OPEN ACCESS

Al-Asr International Research Journal of Islamic Studies
Vol 5 Issue 2 (April-June) 2025
ISSN E: (2790-7694)
ISSN P: (2790-7686)
Published:
June 29, 2025

انصاف، اور پرامن بقائے باہمی کی تعلیم دیتے ہیں۔ اسلام جو کہ دنیا کا دوسرا بڑا مذہب ہے، اپنے پیروکاروں کو واضح طور پر ظلم، فساد، قتل ناحق، اور فرقہ واریت جیسے عناصر سے دور رہنے کی تاکید کرتا ہے۔ دہشت گردی اور فرقہ واریت دراصل سیاسی، معاشی، اور سماجی عوامل کا نتیجہ ہوتی ہے، جنہیں بعض عناصر مذہب کے لبادے میں چھپا کر اپنے مذموم مقاصد کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ ان عناصر کا مذہب سے کوئی تعلق نہیں ہوتا، بلکہ وہ مذہب کو بدنام کرتے ہیں۔ میڈیا اور بعض مغربی مفکرین کی جانب سے دہشت گردی کو مخصوص مذاہب سے جوڑنا ایک طرف تعصب کی علامت ہے تو دوسری طرف دنیا میں نفرت، تقسیم اور بداعتمادی کو فروغ دینے کا ذریعہ بھی بنتا ہے۔ اس کا نتیجہ عالمی امن و استحکام کے لیے خطرہ بن جاتا ہے۔

دنیا کو چاہیے کہ وہ مذہب کو الزام دینے کے بجائے اصل اسباب کا جائزہ لے اور دہشت گردی و فرقہ واریت جیسے مسائل کا حل تلاش کرے۔ تعلیمی اصلاحات، معاشرتی مساوات، بین المذاہب مکالمہ اور سماجی انصاف کو فروغ دینا وقت کی اہم ضرورت ہے۔ لہٰذا یہ بات واضح ہے کہ دہشت گردی اور فرقہ واریت کا تعلق کسی بھی مذہب سے جوڑنا ایک غیر منصفانہ اور گمراہ کن رویہ ہے۔ اصل ضرورت اس امر کی ہے کہ دنیا مل کر ان مسائل کے بنیادی اسباب کا سدباب کرے اور تمام مذاہب کے ماننے والوں کو باہمی احترام، ہم آہنگی اور بھائی چارے کی راہ پر گامزن کرے۔

دہشت گردی کی تاریخ:

اس چیز کا بغور مطالعہ کرنے کی ضرورت ہے کہ دہشت گردی کی تاریخ کیا ہے، کن محرکات و اسباب کے نتیجے میں لوگوں میں عدم برداشت اس حد تک پہنچ گئی کہ وہ کئی جانوں کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کے درپے ہو گئے۔

دہشت گردی (Terrorsim) یا دہشت گرد کے الفاظ کو پہلی مرتبہ مارچ ۱۷۷۳ء سے جولائی ۱۷۹۴ء تک فرانسیسی حکومت کے برپا کیے ہوئے عہدِ دہشت کے لیے مثبت معنوں میں استعمال کیا گیا، حکومت مخالف سرگرمیوں کے اظہار کے لیے دہشت گرد کا لفظ ۱۸۶۶ء میں آئرلینڈ اور ۱۸۸۳ء میں روس کے حوالے سے تحریری شکل میں آیا ۱۹۳۰ء سے ۱۹۴۰ء کی دہائی میں زیرزمین کام کرنے والے یہودیوں کو دہشت گرد کہا جاتا تھا اور اس کے بعد تو یہ لفظ اس قدر کثرت سے استعمال ہونے لگا کہ زبان زدِ عام و خاص ہو گیا، شاید اس لیے کہ دنیا میں ہر طرف دہشت گردی کی وارداتیں کثرت سے ہونے لگی ہیں، دہشت گردی کے حسبِ ذیل تین عناصر ہیں: (۱) master mind، جو منصوبہ بندی کرتا ہے۔ (۲) facilitator، جو سرمایہ اور سہولت فراہم کرتا ہے۔ (۳) operator، جو منصوبے پر کام کرتا ہے۔[14]

[14] محمد خالد سیف، مولانا "اسلام اور دہشت گردی... اسباب۔ تجاویز۔ سفارشات"، اسلامی نظریاتی کونسل۔ اسلام آباد، ص: ۱۰

OPEN ACCESS
CC BY

Al-Asr International Research Journal of Islamic Studies
Vol 5 Issue 2 (April-June) 2025
ISSN E: (2790-7694)
ISSN P: (2790-7686)
Published:
June 29, 2025

۱۹۸۰ء کے بعد خصوصاً ۱۹۹۰۔۲۰۰۵ء تک کے واقعات کا تجزیہ کرنے کے بعد شریک بحث دانشوروں نے وطن عزیز سے دہشت گردی اور تخریب کاری کے خاتمہ کے لیے حسبِ ذیل تجاویز وسفارشات پیش کیں:

۱۔ دہشت گردی کے واقعات کا حقیقی سرا ملک سے باہر ہے، عالمی منظر نامے میں اس کا سراغ لگانے، دہشت گردی کی کارروائیوں کی ڈور ہلانے اور ان کی منصوبہ بندی کرنے والے ذہن پر نظر رکھنا ازبس ضروری ہے۔

۲۔ تمام مسلم ممالک کو دہشت گردی سے نمٹنے کے لیے مل جل کر متفقہ لائحہ عمل اختیار کرنا چاہیے، اس کے لیے او آئی سی میں ماہرین کی ایک خصوصی کمیٹی قائم کی جائے۔

۳۔ دہشت گردی کو جہاد کا نام دینے یا اس بنیاد پر جواز فراہم کرنے کو سختی سے روکا جائے۔

۴۔ مذہبی گروہوں کی قیادت کو بقائے باہمی اور رواداری کے اصولوں پر پختہ معاہدے کا پابند کیا جائے اور بیرونی مداخلت کے دروازے بند کیے جائیں۔

۵۔ ہر قسم کے جلسے جلوسوں کو اپنی اپنی آبادیوں میں محدود کر دیا جائے۔

۶۔ سیاسی نظام مستحکم کیا جائے، ہر علاقے میں برابر ترقیاتی کام ہوں، مستحق لوگوں کو ان کے جائز حقوق دیئے جائیں، معاشی مفادات، ملازمتیں اور شہری سہولتیں بہم پہنچتی رہیں تو تخریب کاری ختم کرنے میں مدد ملے گی۔

۷۔ مذہبی اور نسلی تفریق کو ختم کیا جائے۔

۸۔ انسانی حقوق کی خلاف ورزیاں ختم کی جائیں۔

۹۔ حکومت سارک ممالک کی سطح پر محققین، دانشوروں، مبصرین، بیوروکریٹس، فوج، پولیس اور ماہرین جرمیات کی ایک کونسل تشکیل دے، جو ان محرکات و عوامل کا پتہ چلائے، جو دہشت گردی کو جنم دیتے ہیں، یہ کونسل یہ بھی طے کرے کہ وہ کون سی واردات ہے، جو دہشت گردی ہے اور کون سی ہے، جو دہشت گردی نہیں ہے۔[15]

۱۰۔ وزارتِ داخلہ کو پرائیویٹ سراغ رسانی کے لائسنس جاری کرنے چاہئیں، جو انفرادی اور تنظیمی سطح پر ہوں تاکہ پوشیدہ چہرے سامنے آسکیں اور دہشت گردی کا انسداد کیا جاسکے۔

۱۱۔ دہشت گردی و تخریب کاری میں ملوث تربیتی کیمپوں کو ختم کیا جائے۔

۱۲۔ قومی انٹیلی جنس اداروں بالخصوص ایف آئی اے، آئی بی، آئی ایس آئی اور ایم آئی وغیرہ کا از سرِ نو جائزہ لے کر انہیں مضبوط بنایا جائے تاکہ دہشت گردوں کی سیاسی سرپرستی کا انسداد ہو سکے۔

[15] محمد خالد سیف، مولانا ''اسلام اور دہشت گردی...اسباب۔ تجاویز۔ سفارشات''، ص: ۱۳۔۱۴

OPEN ACCESS
CC BY

Al-Asr International Research Journal of Islamic Studies
Vol 5 Issue 2 (April-June) 2025
ISSN E: (2790-7694)
ISSN P: (2790-7686)
Published:
June 29, 2025

۱۳۔ قومی میڈیا کو نظم وضبط اور ذمہ داری کا مظاہرہ کرتے ہوئے، واقعات اور شخصیات کے بارے میں سنسنی خیزی پھیلانے کی بجائے عوام کی تعلیم وتربیت کی طرف توجہ دینی چاہیے۔

۱۴۔ دینی اداروں کی اصلاح کی طرف بھی بھرپور توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

۱۵۔ چھوٹے گروہوں کی طرف سے محدود تشدد کے واقعات پر ضرورت سے زیادہ ردّ عمل ظاہر نہیں کرنا چاہیے کیونکہ اس سے قومی یگانگت اور حکومت پر عوام کے اعتماد کو ٹھیس پہنچ سکتی ہے۔

۱۶۔ انسدادِ دہشت گردی کی خصوصی عدالتوں کو مزید مستحکم کیا جائے اور دہشت گردی کے مقدمات کو کسی خوف یا حمایت کے بغیر منطقی انجام تک پہنچایا جائے۔

۱۷۔ ملکی سرحدیں متعین اور مکمل طور پر بند ہونی چاہئیں اور قبائلی علاقوں کو مکمل طور پر ریاست کی حدود کے اندر شامل کرنا چاہیے۔

۱۸۔ علماء کرام کو آگے بڑھ کر ملک میں اتفاق واتحاد اور افہام وتفہیم کی فضا پیدا کرنے میں خصوصی کردار ادا کرنا چاہیے، مساجد میں فرقہ واریت اور مذہبی منافرت کے خلاف تعلیم دی جائے۔

۱۹۔ اپنے اپنے علاقوں میں قانون اور امن عامہ کی صورتِ حال کی نگرانی کے لیے وفاقی، صوبائی، ڈویژنل اور ضلعی سطحوں پر تحفظ امن کمیٹیاں بنائی جائیں۔

۲۰۔ بیرونِ ملک سے آنے والوں کے سامان اور سفری دستاویزات کو بہت احتیاط کے ساتھ چیک کیا جائے۔

۲۱۔ اختلاف کو برداشت کرنے کی ثقافت کو فروغ دیا جائے، اختلاف کو منافرت، تشدد اور دہشت گردی کا جواز نہ بننے دیا جائے۔[16]

خلاصہ:

موجودہ حالات میں اگر دیکھا جائے تو پاکستان میں ہونے والی دہشت گردی کے پیچھے بھارت اور اس کی دہشت گرد تنظیموں کا ہاتھ ہے، جس کے ناقابل تردید ثبوت ریاست پاکستان ملک وبیرونِ ملک پیش کر چکی ہے، ان تمام پراکسیز کا ریاست اور عوام کو ڈٹ کر مقابلہ کرنا ہوگا۔ بلاشبہ پاکستان میں دہشت گردی کی لگائی ہوئی آگ مغربی بنیاد پرستوں اور مشرق میں ہندوستان جیسے انتہاء پسند ہندوؤں کی طرف سے ہے۔ ایک طرف مغربی بنیاد پرست مسلمانوں پر دہشت گردی کا الزام لگاتے ہیں، لیکن دوسری طرف عملی طور پر عراق، شام، فلسطین، برما اور افغانستان میں انسانی جانوں کو ختم کرنے میں جو ظلم وستم کے پہاڑ توڑتے ہیں، پاکستان میں دہشت گردی کی نام نہاد آڑ میں ڈرونز سینکڑوں پاکستانیوں کی جانیں نگل چکے ہیں، پوری دنیا ایسے ہولناک مناظر کو اپنی آنکھوں سے دیکھ چکی ہے۔ پاکستان میں بھارتی جاسوسوں اور دہشتگردوں، موساد اور امریکی انٹیلی جنس جاسوسوں کا پکڑا جانا بھی سب کے سامنے ہے، لہٰذا دہشت گردی کی مکمل روک تھام میں علماء اور سیاستدانوں کے کردار کے ساتھ ساتھ حکومتِ وقت پر بھاری ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ پاکستان کی سرحدوں کو محفوظ بنانے کے لیے وہ تمام اقدامات کرے جن سے حقیقی معنوں میں ملک و

[16] محمد خالد سیف، مولانا "اسلام اور دہشت گردی... اسباب۔ تجاویز۔ سفارشات"، ص: ۱۵

OPEN ACCESS

CC BY

Al-Asr International Research Journal of Islamic Studies
Vol 5 Issue 2 (April-June) 2025
ISSN E: (2790-7694)
ISSN P: (2790-7686)
Published:
June 29, 2025

قوم کی حفاظت ہو سکے، دہشت گردی کی روک تھام میں سب سے نمایاں کردار پاکستانی افواج اور قانون نافذ کرنے والے اداروں کا ہے جن کی مدد سے آج بڑی حد تک دہشت گردی کی آگ پر قابو پایا جاچکا ہے۔

امن واستحکام ریاست کے ہر باشندے کا بنیادی حق ہے، اسی حق کے ساتھ ہر فرد کی تعمیر و ترقی وابستہ ہے، اگر اسے گزند پہنچتی ہے تو ریاست کمزور ہوتی ہے، اور اگر ریاستی باشندوں کے حقوق ذمہ داری سے نبھائے جائیں تو ریاست مضبوط ہوتی ہے، پاکستان جیسا ملک جو کئی روایتوں کا امین ہے، کئی تہذیبوں کا پاسدار ہے اور کئی غیر مسلموں کے بھی ریاستی باشندے ہونے کے تحت امن کی امن و سلامتی کو عزیز رکھے ہوئے ہے، اگر ریاست کا کوئی ذمی (غیر مسلم) اگر یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان کے قوانین مجھ پر نافذ نہیں ہوتے تو وہ صریحاً غلطی پر ہے، اس لیے کہ کسی بھی ریاست کے قوانین کی پاسداری اس میں بسنے والے تمام باشندگان پر لازم ہے، خواہ ان کا تعلق کسی بھی گروہ، کسی بھی جماعت یا کسی بھی مذہب سے ہو۔ اس لیے کہ ہر مذہب امن و سلامتی کو عزیز سمجھتا ہے اور اس کے برعکس کی جانے والی تمام کاوشوں کو مذموم سمجھتا ہے، ان کی نفی کرتا ہے اور ان کی بیخ کنی کرنے کے لیے ریاست کو مکمل اختیار دیتا ہے۔

CC BY